مولانا زاہد الراشدی
ڈپٹی سیکرٹری جنرل جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

جہادِ افغانستان کی تازہ ترین صورتحال

محاذِ جنگ کے مشہور جرنیل مولانا جلال الدین حقانی سے انٹرویو

حرکۃ المجاہدین کی دعوت پر مئی ۱۹۸۸ء کے اختتام پر جب ہم نے تیسری بار افغانستان کے اندر جانے کا فیصلہ کیا تو صورتحال یہ تھی کہ جنیوا معاہدے پر دستخط ہو چکے تھے اور نجیب حکومت کے ذرائع ابلاغ زور و شور کے ساتھ اس پراپیگنڈہ میں مصروف تھے کہ افغان مہاجرین کی اکثریت نے جنیوا معاہدہ پر اطمینان کا سانس لیا ہے اور اب وہ قافلہ در قافلہ افغانستان واپس جانے میں مصروف ہیں۔ پاکستان میں بھی جنیوا معاہدہ کو حکومت کی معجزانہ کامیابی ثابت کرنے کے لیے روایتی بیان بازوں کا شور و غوغا کانوں سے مسلسل ٹکرا رہا تھا اور یہ تاثر پھیلانے کی بھرپور کوشش ہو رہی تھی کہ جنیوا معاہدہ کے بعد مسئلہ افغانستان اصولی طور پر ختم ہو گیا ہے اور اب صرف یہ کام باقی رہ گیا ہے کہ روسی فوجیں مقررہ مدت کے اندر افغانستان سے واپس چلی جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ افغان مہاجرین بھی اپنے وطن لوٹ جائیں۔

لیکن اس قسم کے تاثرات کی فضا میں ۲۹ مئی کو حرکۃ المجاہدین کے امیر مولانا فضل الرحمٰن خلیل اور گوجرانوالہ، سیالکوٹ اور فیصل آباد کے چند احباب کے ہمراہ میرم شاہ میں افغان مجاہدین کے مراکز کو دوبارہ دیکھا، اور پھر ڈیورنڈ لائن عبور کر کے ژاور کے بین الاقوامی شہرت کے حامل مرکزِ جہاد میں پہنچے تو گوئبلز کے فلسفہ نے اپنے وجود اور کارفرمائی کا ایک بار پھر شدت کے ساتھ احساس دلایا، جرمن ڈکٹیٹر ہٹلر کا دستِ راست گوئبلز یہ کہا کرتا تھا کہ:

"جھوٹ اس تسلسل کے ساتھ بولو کہ لوگ اسے سچ ماننے پر مجبور ہو جائیں"

کیونکہ نہ تو ہمیں مہاجرین کا کوئی قافلہ واپس جاتا دکھائی دیا اور نہ ہی مجاہدین کسی مورچہ سے اپنا سامان لپیٹتے ہوئے نظر آئے، بلکہ جنگ کی تیاریوں میں پہلے سے زیادہ شدت اور اسبابِ جنگ کی فراہمی اور ذخیرہ میں اضافہ کی کیفیت دیکھ کر ہمیں جنیوا معاہدہ کا تانا بانا بننے والے ان سفارت کاروں کی ذہنی حالت

پر رحم آئے گا جو الفاظ کی میناکاری کے ساتھ دستاویزات کی کاغذی دیوار کے ذریعہ افغانستان کی جنگ کو بند کرانے کی خوش فہمی کا شکار ہوگئے ہیں۔

روسی لیڈر میخائل گوربا چوف نے گذشتہ دنوں ایک بیان میں کہا تھا کہ افغانستان سے روسی افواج کی واپسی کو ویت نام سے امریکی فوجوں کی واپسی سے تشبیہ نہ دی جائے کیونکہ دونوں کی نوعیت بالکل مختلف ہے۔ افغانستان میں جنیوا معاہدہ کے بعد کی صورتحال دیکھ کر ہمیں مسٹر گوربا چوف کی یہ بات مبنی برحقیقت دکھائی دی۔ کیونکہ ویت نام کے جنیوا معاہدہ اور افغانستان کے جنیوا معاہدے میں دو فرق واضح طور پر نظر آرہے ہیں۔

ویت نام کے مذاکرات میں امریکہ نے چھاپہ مار مزاحمتی گروپوں یعنی ویت کانگ کے وجود کو تسلیم کرکے ویت نام کے مستقبل کا فیصلہ ان کے ساتھ میز پر بیٹھ کر کیا تھا اور اپنی کٹھ پتلی حکومت کے تحفظ اور بقاء پر اصرار کرنے کی بجائے ویت کانگ کی حکومت کے لیے راستہ صاف کر دیا تھا، جبکہ افغانستان میں روسی قیادت افغان مجاہدین کا میز پر سامنا کرنے کی اخلاقی جرأت کا مظاہرہ نہیں کرسکی اور اپنی شکست کے اعتراف کے ساتھ ساتھ اس کے منطقی نتیجہ یعنی دشمن کی فتح کو تسلیم کرنے کا حوصلہ بھی اسے نہیں ہوا۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ روس کی فوجی یلغاروں میں واپسی کا یہ پہلا تجربہ ہے، اس سے قبل روس کو اس قسم کی شکست کا سامنا نہیں کرنا پڑا، شاید یہی وجہ ہے کہ وہ شکست کے مسلمہ آداب سے واقف نہیں ہے اور جنیوا معاہدہ شکست کے بارے میں روسی قیادت کی ناتجربہ کاری کا منہ بولتا ثبوت دکھائی دے رہا ہے۔ خیر افغان مجاہدین نے اب بسم اللہ کر دی ہے، شکست کے تجربات میں بھی روسی قیادت کو تہی دامن کی شکایت نہیں رہے گی اور انشاء اللہ العزیز ع

اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں

ویت نام کے ساتھ امریکہ کے معاہدہ اور افغانستان کے بارے میں معاہدۂ جنیوا میں دوسرا واضح فرق یہ ہے کہ ویت نام میں معاہدہ کے بعد جنگ بند ہوگئی تھی اور جنوبی و شمالی میں منقسم ویتنام جنگ بندی کے بعد متحدہ ویتنام کی صورت اختیار کر گیا تھا جبکہ جنیوا معاہدہ کے بعد افغانستان کی جنگ میں شدت اور تیزی پیدا ہو رہی ہے اور روسی قیادت متحدہ افغانستان کو جنوبی اور شمالی کے دو حصوں میں تقسیم کرنے کے لیے مسلسل سازشوں کے جال بچھاتے نظر آ رہی ہے۔

ویت نام اور افغانستان کے بارے میں بین الاقوامی معاہدات کا یہ فرق افغانستان کے اندر جا کر اور زیادہ واضح طور پر محسوس ہوتا ہے، کیونکہ جنیوا معاہدہ سے قبل مارچ ۱۹۸۸ء میں جب ہمیں ژاور کے مرکز جہاد اور اس سے آگے رانغبیلی کے مورچوں پر جانے کا موقع ملا تھا تو اسلحہ کی فراوانی اور جنگی جوش و خروش

کا جو منظر اس وقت دیکھا تھا، معاہدہ کے بعد کا ماحول اس سے کہیں زیادہ پُرجوش نظر آیا اور مجاہدین کا عزم و حوصلہ دیکھ کر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اب آخری اور فیصلہ کن معرکہ کے لیے تیاریاں کر رہے ہیں، ایک ایسا معرکہ جس کی شدت اور تباہ کاری شاید گذشتہ ۹ سالہ جنگ کے مجموعی تاثرات کو بھی ذہنوں سے محو کر دے۔

افغانستان میں، ہماری حالیہ حاضری کا مقصد جنیوا معاہدہ سے پہلے اور بعد کی صورتِ حال میں فرق کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ معروف افغان کمانڈر مولانا جلال الدین حقانی کے ساتھ ملاقات بھی کرنا تھا۔ چنانچہ ان سے ان کے میرم شاہ کے ہیڈ کوارٹر میں ملاقات ہوئی اور جہادِ افغانستان کی تازہ ترین صورتحال کے بارے میں مختلف امور پر ان سے بات چیت ہوئی۔ اس ملاقات میں جمعیۃ علماء اسلام صوبہ سرحد کے سالارِ اعلیٰ قاری حضرت گل شاکر، حرکۃ المجاہدین کے امیر مولانا فضل الرحمٰن خلیل، نائب امیر مولانا محمد فاروق کشمیری اور مولانا عبد اللطیف بھی شریک تھے۔

مولانا جلال الدین حقانی کا تعلق افغانستان کے صوبہ پکتیا کے علاقہ "شیرانہ" سے ہے، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے فاضل اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق مدظلہ، کے شاگرد ہیں، کچھ عرصہ دارالعلوم حقانیہ میں مدرس بھی رہے ہیں۔ وہ سیاسی طور پر "حزبِ اسلامی افغانستان" کے اس دھڑے سے وابستہ ہیں جس کی قیادت مولوی محمد یونس خالص کر رہے ہیں۔ مولوی محمد یونس خالص بھی مولانا عبدالحق مدظلہ کے شاگرد ہیں اور افغان مجاہدین کے اہم راہنماؤں میں شمار ہوتے ہیں۔ مولانا جلال الدین حقانی کے دو نائب مولوی فتح اللہ حقانی ؒ اور مولوی احمد گلؒ بھی جنہیں ان کے دستِ راست کی حیثیت حاصل تھی، دارالعلوم حقانیہ کے فاضل تھے۔ ان کی جماعت اور افغانستان میں افغان مجاہدین کی دیگر جماعتوں میں دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء کی ایک بڑی تعداد آج بھی مصروفِ جہاد ہے، اور غالباً اس بارے میں پاکستان اور افغانستان کا اور کوئی دینی ادارہ "دارالعلوم حقانیہ" کا ہم پلہ نہیں ہے۔

شاید دارالعلوم حقانیہ کے اس امتیاز و اعزاز کی وجہ یہ ہو کہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ حدیث کی تعلیم و تدریس کے ضمن میں جہاد سے متعلقہ ابواب "کِتَابُ السِّیَر" کا خصوصی ذوق رکھتے ہیں، حتیٰ کہ ضعف اور معذوری کے دور میں جب وہ اپنے تعلیمی ذوق کے تسلسل کو باقی رکھنے یا طلبہ کے شوق کی خاطر کبھی کبھار تھوڑا بہت پڑھانے کا سلسلہ شروع کرتے ہیں تو ان کا انتخاب "کتابُ السِّیَر" ہی کا ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں اکثر مدارس میں دورۂ حدیث ہوتا ہے، لیکن عام روایت یہ بن گئی ہے کہ حدیث کی کتابیں پڑھانے والے اساتذہ کا زیادہ زور طہارت اور نماز کے اختلافی مباحث پر صرف ہو جاتا ہے اور اسلامی نظام کے اجتماعی پہلوؤں سے تعلق رکھنے والے ابواب مثلاً خلافت و امارت، تجارت و معیشت،

عدالت وقضا، جہاد وقتال اور بین الاقوامی تعلقات جیسے اہم ابواب سے یوں گذر جاتے ہیں جیسے ان ابواب کا حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نظامِ اسلام کے ساتھ معاذ اللہ کوئی تعلق نہ ہو یا نعوذ باللہ اب ان کی کوئی ضرورت باقی نہ رہ گئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ان مدارس سے فارغ ہونے والے علماء کی اکثریت کی فکر ونظر اور خطبات ومواعظ کی جولانگاہ اختلافی مباحث تک محدود ہو کر رہ گئی ہے اور انہیں اسلام کے اجتماعی نظام سے نہ کوئی شعوری دلچسپی ہے اور نہ ہی وہ جدید نظام ہائے حیات مثلاً جمہوریت، سوشلزم، سیکولرازم اور کیپٹل ازم وغیرہ کے ساتھ اسلام کا موازنہ ومقابلہ کر کے نئی نسل کو اسلام کی فوقیت کے بارے میں مطمئن کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں، اور بلاشبہ علماء کی فکری وعلمی زندگی کا یہ خلاء جدید نظاموں کی طرف مسلمانوں کی نئی نسل کے میلان ورجحان کا سب سے اہم سبب بن گیا ہے۔

خیر بات جہادِ افغانستان میں "دارالعلوم حقانیہ" کے فضلاء کی خصوصی دلچسپی کی ہو رہی تھی کہ اس کی اہم وجہ حدیث کے جہاد سے متعلقہ ابواب کی تعلیم وتدریس کے سلسلہ میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کا خصوصی ذوق ہے، اور مولانا موصوف کا یہ ذوق صرف تدریس وتعلیم تک محدود نہیں ہے بلکہ اپنے شاگردوں کو جہاد وقتال کے لیے آمادہ کرنا اور اُن کی سرپرستی کرنا بھی ان کے معمولات میں سے ہے اور ان کے اسی ذوق ومحنت کا ایک شاہکار مولانا جلال الدین حقانی کی شخصیت ہے۔

مولانا جلال الدین حقانی نے افغانستان کے سابق صدر داؤد کے دور میں جب روسی نظام کی بنیاد پر انقلابی اصلاحات کا آغاز ہوا تھا اور دینی ادارے براہِ راست اس انقلاب کی زد میں آ گئے تھے صوبہ پکتیا میں مسلح جہاد شروع کر دیا تھا۔ غالباً وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کمیونسٹ اصلاحات کے خلاف افغانستان میں ہتھیار اُٹھا کر جنگ کا آغاز کیا، اور اُس وقت سے آج تک کم وبیش بارہ سال کا عرصہ گذر چکا ہے کہ وہ مسلسل مسلح جہاد میں مصروف ہیں اور اس طویل جنگ کے تجربات ومصائب نے ان کی فکر اور صلاحیت میں پختگی پیدا کی ہے جس کا اظہار وہ جہادِ افغانستان میں مکمل کامیابی کے بعد کشمیر، فلسطین، بخارا، تاشقند اور دیگر مقبوضہ مسلم علاقوں کی بازیابی کے لیے مسلح جہاد کے عزم کی صورت میں کرتے ہیں۔

مولانا حقانی کے ساتھ ۳۰ مئی کو ان کے میرم شاہ کے ہیڈ کوارٹر میں ہماری ملاقات اس انداز میں ہوئی کہ ان کے گھر کے سامنے ملنے والے افراد اور وفود کا تانتا بندھا ہوا تھا اور وہ باری باری ان سے نمٹتے جا رہے تھے۔ ہمارے لیے انہوں نے ایک وفد کی ملاقات ادھوری چھوڑ کر وقت نکالا، جب وہ ملاقات کے کمرے میں پہنچے تو اُن کی وضع قطع، لباس اور اندازِ گفتگو کو دیکھ کر قطعاً یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ یہ وہی

گوریلا کمانڈر ہے جس نے روسی افواج کی مسلح یلغاروں کو بار بار عبرتناک شکست سے دوچار کیا ہے اور جس کی گوریلا مہارت کے چرچے بین الاقوامی پریس میں تسلسل کے ساتھ ہو رہے ہیں۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی دینی مدرسہ کا ایک مدرس سبق پڑھاتے ہوئے درمیان میں کسی ضروری کام کے لیے اُٹھ کر آ گیا ہے لیکن جب انہوں نے ہمارے سوالات کے جواب میں روسی پالیسیوں اور عزائم کے تار و پود بکھیرتے ہوئے افغانستان کے مستقبل اور اپنے آئندہ ارادوں کا نقشہ کھینچا تو ذہن کے پردۂ سکرین پر محمود غزنویؒ، صلاح الدین ایوبیؒ، محمد بن قاسمؒ اور محمد فاتحؒ جیسے عظیم مسلم جرنیلوں کی تگ و تاز اور جہد و عمل کے مناظر گھومنے لگے اور دل اس مردِ قلندر کی صحت و سلامتی اور کامیابی کے مجسم دعا بن گیا۔

مولانا جلال الدین حقانی سے خیر و عافیت پوچھنے کے بعد ہمارا پہلا سوال یہ تھا کہ اگر ہم انہیں پاکستان کے مختلف شہروں میں جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کے زیرِ اہتمام جہاد کانفرنسوں سے خطاب کی دعوت دیں تو کیا وہ اسے قبول کر لیں گے؟

انہوں نے جواب میں شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ میں اس کے لیے تیار ہوں لیکن فوری طور پر ایسا ممکن نہیں، کیونکہ چند روز تک افغانستان کی جنگ ایک نئے مرحلہ میں داخل ہو رہی ہے اور میں افغانستان کے اندر محاذِ جنگ پر جا رہا ہوں، ۱۵ ذیقعد کے بعد واپسی کی توقع ہے، اس کے بعد جہاد کانفرنسوں کے پروگرام کے لیے باہمی مشورہ کے ساتھ تاریخوں کا تعین ہو سکتا ہے، ویسے بھی اس وقت تک صورتحال میں کافی تبدیلی پیدا ہو چکی ہو گی اور کئی بڑے شہروں اور علاقوں کو فتح کرنے کے بعد جب ہم جہاد کانفرنسوں میں شریک ہوں گے تو ہماری بات کے وزن اور نوعیت میں کافی فرق آ چکا ہو گا۔

اس کے بعد ہم نے مولانا حقانی کو جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کی مرکزی مجلسِ شوریٰ کے اجلاس سے بطورِ خاص خطاب کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی اور کہا کہ تاریخ اور جگہ کا تعین بعد میں مشورہ کے ساتھ کر لیا جائے گا۔

ان گذارشات کے بعد ہم نے ان سے سوال کیا کہ جنیوا معاہدہ کے بعد امریکہ اور دوسرے حمایتی ممالک کی طرف سے امداد بند ہونے کی صورت میں جنگ کو جاری رکھنے کی کیا شکل ہو گی اور افغان مجاہدین کی آئندہ حکمتِ عملی کیا ہو گی؟

اس سوال کے جواب میں مولانا جلال الدین حقانی نے کہا کہ ہماری جنگ کا دار و مدار بیرونی امداد پر نہیں ہے بلکہ ہم اسے شرعی فریضہ سمجھتے ہوئے اللہ رب العزت کی رضا کے لیے اسی کے بھروسہ پر جہاد کر رہے ہیں، ہم نے جب جہاد کا آغاز کیا تھا ہمارے پاس برائے نام جنگی وسائل بھی نہیں تھے، کھانے پینے

کی اشیا نہیں تھیں، آمد ورفت کے لیے گاڑیاں نہیں تھیں، زخمیوں کے لیے ہسپتال نہیں تھے اور کسی قسم کا جدید اسلحہ نہیں تھا، اُس وقت ہم نے جنگ لڑی اور روسی فوجوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا، آج تو ہماری جنگی صلاحیت اور تجربہ میں کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے، آج ہم بیرونی امداد کے بغیر جنگ کیوں نہیں لڑ سکتے، ہماری جنگ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور جہاد کے شرعی تقاضے پورے ہونے تک یہ جنگ جاری رہے گی۔ ہم نے امریکہ یا کسی اور ملک کے کہنے پر جنگ شروع نہیں کی تھی کہ آج اُن کی طرف سے امداد بند ہو جانے کی صورت میں جنگ بند کرنے کی بات سوچنے لگیں، جن لوگوں نے امریکہ کو دیکھ کر جنگ شروع کی تھی وہ بیشک بند کر دیں، لیکن وہ کتنے ہیں، ان کی تعداد کیا ہے؟ اگر وہ ہیں بھی تو افغانستان کی جنگ کے حوالے سے ان کا وجود اور عدم وجود برابر ہے۔ باقی رہی ہماری جنگ تو وہ اللہ کے لیے تھی اور اللہ ہی کے لیے مکمل فتح تک جاری رہے گی۔ جہاں تک اسلحہ اور جنگی اسباب کا تعلق ہے میں آپ کو ایک تجربہ اور مشاہدہ کی بات بتاتا ہوں جب تک امریکہ اور دوسرے ممالک کی طرف سے ہماری امداد شروع نہیں ہوئی تھی ہماری جنگ کا زیادہ تر انحصار اس اسلحہ پر تھا جو ہم روسی فوجوں سے چھینتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے غنیمتوں کے دروازے کھول دیئے تھے، جب امریکی امداد کا آغاز ہوا تو اسلحہ کی غنیمتوں کے اس تسلسل میں کمی آنے لگی، اور آج جب امریکہ اور دوسرے حمائتی ممالک کی امداد کی بندش کی باتیں ہو رہی ہیں اللہ تعالیٰ نے غنیمتوں کے دروازے پھر سے کھول دیئے ہیں، روسی فوجیں جن علاقوں کو چھوڑ کر جا رہی ہیں مجاہدین ان پر بتدریج قبضہ کرتے جا رہے ہیں اور اسلحہ کا ایک بڑا ذخیرہ ان کے قبضے میں آ رہا ہے۔ ہمیں چند روز قبل معلوم ہوا کہ روسی افواج کا ایک بڑا قافلہ خوست آ رہا ہے جس کا مقصد بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خوست میں موجود روسی کابل فوج اور ساز و سامان کو بحفاظت وہاں سے نکال لیا جائے۔ اس خبر پر ہمیں پہلے کچھ پریشانی ہوئی، لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت سمجھ میں آئی کہ یہ قافلہ اور اس کے ذریعہ مزید اسلحہ اور ساز و سامان بھی ہمارے لیے بھیجا جا رہا ہے اور یہ ہمارے کام ہی آئے گا انشاء اللہ العزیز، اس لیے ہم بے چینی کے ساتھ اس کانوائے کا انتظار کر رہے ہیں۔

مولانا حقانی سے ہمارا دوسرا سوال یہ تھا کہ بین الاقوامی پریس اور سیاسی حلقوں میں اس خدشہ کا مسلسل اظہار کیا جا رہا ہے کہ روس افغانستان سے جاتے ہوئے اسے شمالی اور جنوبی دو حصوں میں تقسیم کرنے کی راہ ہموار کر رہا ہے اور شمالی افغانستان میں نجیب حکومت کو منتقل کر کے مزار شریف کو دارالحکومت بنایا جا رہا ہے۔

اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ دراصل اس خطہ کے لیے روسی حکمتِ عملی تین حصوں پر مشتمل ہے

سب سے پہلے روسی حکمتِ عملی کا ہدف یہ رہا ہے کہ افغانستان میں مکمل قبضہ کے بعد پاکستان کے صوبہ سرحد اور بلوچستان کو قبضہ میں لایا جائے اور اس راستہ سے گرم پانی اور خلیج کے تیل کے چشموں تک رسائی حاصل کی جائے، لیکن روس کو اس حکمتِ عملی میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ دوسرے مرحلہ میں روسی پالیسی نے یہ رخ اختیار کیا کہ افغانستان میں کمیونسٹ حکومت اور نظام کو مستحکم کر کے اسے پاکستان میں کمیونسٹ یا کم از کم روس نواز انقلاب کی راہ ہموار کرنے کے لیے استعمال کیا جائے۔ افغان مجاہدین کی دس سالہ طویل جنگ اور بے مثال قربانیوں نے روسی قیادت کا یہ خواب بھی مکمل طور پر بکھیر دیا ہے۔ اب تیسرے مرحلہ میں روسی قیادت یہ چاہتی ہے کہ افغانستان مکمل طور پر مجاہدین کے کنٹرول میں نہ جائے بلکہ افغانستان کی کمیونسٹ آبادی اور قوت کو شمالی علاقہ جات میں مجتمع کر کے مزار شریف میں نجیب حکومت کو منتقل کر دیا جائے۔ روسی قیادت اس مقصد کے لیے اس حد تک سنجیدہ نظر آتی ہے کہ ازبک، ترک اور تاجک اقوام کو جو دریائے آمو کے دونوں طرف آباد ہیں اور افغانستان کے ساتھ ساتھ روس کے مقبوضہ علاقوں میں بھی ان کی خاصی تعداد موجود ہے۔ روس ان اقوام کے اپنے زیر قبضہ علاقوں کو خالی کرنے کے لیے بھی تیار ہے تاکہ ان سب علاقوں کو ملا کر ایک مستحکم کمیونسٹ حکومت تشکیل دی جا سکے، اس غرض کے لیے افغانستان میں روس کے حمایتی عناصر کو شمالی علاقوں میں مجتمع کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور روس اپنے اور مجاہدین کے درمیان ایک کمیونسٹ حکومت کی دیوار کھڑی کرنے کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی تیاری کر رہا ہے لیکن ہم اس تقسیم کو قبول نہیں کریں گے اور ہماری جنگ اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک پورا افغانستان کمیونسٹوں کی تحویل سے نکل کر اسلامی حکومت کے زیرنگیں نہیں آجاتا اور یہ جنگ پہلی جنگ سے زیادہ مشکل نہیں ہو گی کیونکہ جب ہمارے پاس کوئی ایئرپورٹ نہیں تھا، کوئی شہر نہیں تھا اور کوئی باضابطہ حکومت نہیں تھی اُس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ ہم نے افغانستان کے کسی خطہ میں روسی فوجوں اور روس نواز عناصر کو ٹکنے نہیں دیا تو اب جبکہ جنوبی افغانستان میں ہماری حکومت قائم ہو جائے گی تو باقاعدہ حکومتی جنگ میں شمالی افغانستان کی مجوزہ کمیونسٹ حکومت کو شکست دینا ہمارے لیے نسبتاً زیادہ آسان ہو گا بلکہ اس صورت میں روس کے زیر تسلط ان مسلم علاقوں تک ہماری رسائی ہو جائے گی جنہیں خالی کر کے روس اس نئی کمیونسٹ ریاست میں شامل کرے گا اور اس طرح بخارا، تاشقند اور دوسرے مسلم علاقوں کو روس کی غلامی سے نجات دلانے کے دیرینہ خواب کی تکمیل کی راہ بھی انشاء اللہ العزیز ہموار ہو گی۔

مولانا حقانی سے ہمارا تیسرا سوال یہ تھا کہ افغان مجاہدین کی جنگ نے عالم اسلام میں جہاد کے ولولہ کو ایک بار پھر زندہ کر دیا ہے، لیکن کیا جہادِ افغانستان کا دائرہ صرف افغانستان تک محدود ہے یا اس سے ہٹ کر دنیائے اسلام میں جہاد کے جذبہ کو بیدار کرنے کا تصور بھی موجود ہے؟

اس کا جواب اُن کی طرف سے یہ تھا کہ نہیں ہمارے جہاد میں وطنیت کا تصور نہیں ہے ہم نے وطن کی جنگ نہیں لڑی بلکہ کفر کے نظام کے خاتمہ اور اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کیا ہے جو ہمارا شرعی فریضہ تھا اور یہ جہاد صرف افغانستان کے لیے نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے لیے ہے اس لیے افغانستان میں اپنے اہداف حاصل کرنے کے بعد ہمارا جہاد ختم نہیں ہو جائے گا بلکہ عالم اسلام کے مسائل کو حل کرنے کے لیے ہم جہاد کے اس جذبہ کو عالمگیر تحریک کی شکل دینے کی کوشش کریں گے۔ ہمارے سامنے کشمیر کا مسئلہ ہے بھارت کے مظلوم مسلمانوں کا مسئلہ ہے مسجد اقصیٰ کا مسئلہ ہے مظلوم فلسطینی مسلمانوں کی آزادی کا مسئلہ ہے۔ بخارا، تاشقند اور دیگر مقبوضہ مسلمانوں کا مسئلہ ہے یہ سارے مسائل جہاد کے ذریعہ ہی حاصل ہوں گے اور افغانستان میں کامیابی کے بعد ہمارے جہاد کے آئندہ اہداف انشاء اللہ العزیز یہی علاقے ہوں گے۔

ذہن میں کئی سوالات اپنی باری کے انتظار میں قطار باندھے کھڑے تھے لیکن حقانی صاحب کے دروازے پر ملاقات کے خواہشمند وفود اور افراد کی قطار اس سے کہیں زیادہ لمبی نظر آئی، اس لیے ہم نے سوالات کا سلسلہ مختصر کرتے ہوئے پاکستان کے علماء کیلئے پیغام کی درخواست کی —— مولانا جلال الدین حقانی نے کہا کہ پاکستان کے علماء سے میری گذارش یہ ہے کہ وہ ملتِ اسلامیہ کے لیے جہاد کی اہمیت اور ضرورت کا ادراک کریں اور اس شرعی فریضہ کے احیاء کے لیے اپنی فکری و عملی صلاحیتوں کو کام میں لائیں۔ جہادِ افغانستان شروع ہونے کے بعد پاکستان کے تمام علماء کرام کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس کی حمایت کے لیے متحرک ہو جاتے اور اس کے ذریعہ پاکستان کے مسلمانوں میں جہاد کے جذبہ اور عمل کو زندہ کرتے لیکن ایسا نہیں ہوا اور پاکستانی علماء نے اس طرف توجہ نہیں دی۔ (حرکۃ المجاہدین کے امیر مولانا فضل الرحمن خلیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اب اس نوجوان کو دیکھو خدا اس کو سلامت رکھے اور دارین کی سعادتوں سے نوازے کہ یہ اس مقصد کے لیے مسلسل متحرک ہے اور شب و روز محنت میں مصروف ہے، ایسا سب علماء کو کرنا چاہیئے تھا۔ اب بھی وقت ہے اور جہاد خود پاکستان کے علماء کی ضرورت ہے، ان کے سامنے اپنے وطن کی حفاظت، بھارت کے مسلمان، کشمیر، الحادی قوتوں کی سرگرمیاں اور نفاذِ اسلام کی جدوجہد جیسے مسائل موجود ہیں اور ان کے حل کے لیے جہاد کے جذبہ اور عمل کے احیاء کی ضرورت ہے۔ پاکستان کے علماء کو چاہیئے کہ وہ اس ضرورت کا احساس کریں، اپنے مدارس میں طلبہ کا جہاد کے لیے ذہن تیار کریں، خطبات و مواعظ میں جہاد کی شرعی حیثیت اور فضائل کا کثرت کے ساتھ ذکر کر کے اپنے اردگرد جہاد کا ماحول بنائیں اور افغان مجاہدین اور مہاجرین کی حمایت و امداد کے لیے منظم مہم چلا کر جہادِ افغانستان کو تقویت پہنچانے کے ساتھ ساتھ اپنے ملک کی رائے عامہ کی جہادِ اسلامی کیلئے ذہن سازی کریں۔ جہاد ایک شرعی فریضہ ہے اور عالم اسلام کے مسائل و مصائب کا واحد حل ہے اور امت کو جہاد کے لیے تیار کرنا علماء کی ذمہ داری ہے اگر وہ اس ذمہ داری کو پورا نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرخرو نہیں ہو سکیں گے۔

جدید ترین آٹومیٹک پلانٹ پر تیار کردہ

UNIFOAM

جہاں آرام کا نام آیا - آپ نے یونی فوم کو پایا

Stockist:

Yusaf Sons

Babu Bazar, Rawalpindi Saddar Phone 66754-66933-66833

تیار کردہ

UNITED FOAM INDUSTRIES LTD

LAHORE—PAKISTAN
Tel: 431341, 431551

دفتر ہو، یا فیکٹری
دوکان ہو، یا گھر

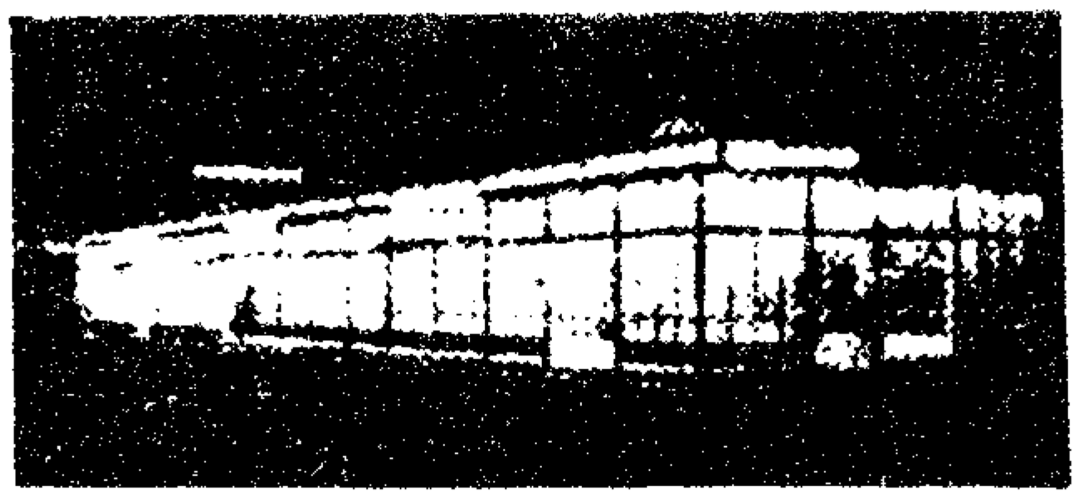

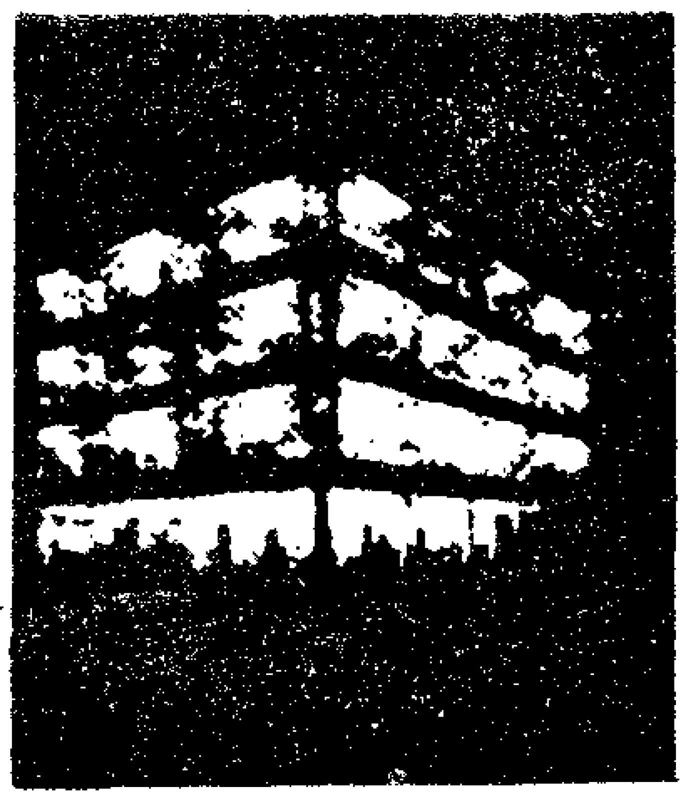

شیشہ
خواجہ کا

خواجہ گلاس انڈسٹریز لمیٹڈ
شاہراہِ پاکستان ——— حسن ابدال

فیکٹری آفس: ۱۰۰۔ ہارلے اسٹریٹ، صدر راولپنڈی
رجسٹرڈ آفس: ۳۔ ایبٹ روڈ، لاہور